قرآن کی عظمت

مولانا شمس الحق افغانیؒ

لسانی عظمت:......قرآن کی زبان عربی ہے اور تورات کی زبان عبرانی، انجیل کی زبان عبرانی یا سریانی ہے۔ قدرت کے تصرفات عجیب ہیں، جب قدرت الٰہیہ نے یہ طے کیا کہ انسانیت کی اصلاح کے لیے آخری کتاب عربی میں نازل کی جائے گی اور وہی کتاب انسانیت کے لیے آخری ضابطۂ حیات ہوگی اور باقی آسمانی کتابیں اس کی آمد پر منسوخ ہوں گی، تو قدرت نے اولاً ان کتابوں کی زبانوں کو ختم کر کے عملی زندگی سے خارج کر دیا اور آج یہود و نصاریٰ کی پوری کوششوں کے باوجود دنیا کے وسیع رقبہ میں ایک صوبہ بلکہ ایک ضلع یا ایک تحصیل بھی ایسی موجود نہیں جہاں کے لوگ عبرانی یا سریانی زبان بولتے ہوں، حالانکہ تورات، انجیل کے نزول کے زمانے میں یہ دونوں زبانیں ملکی زبانیں تھیں۔ البتہ بعض اسکولوں اور کالجوں میں علم الالسنہ کے تحت ایک مردہ زبان کی شکل میں خال خال ان کی تعلیم دی جاتی ہے لیکن زندگی میں ان زبانوں کا عمل دخل نہیں بلکہ جو کتابیں فی الحقیقت آسمانی نہ تھیں اور ان کے ماننے والوں نے ان کو آسمانی قرار دیا تھا، ان کو بھی اور ان کی زبانوں کو بھی قدرت کے زبردست ہاتھ نے عبرانی اور سریانی زبان کی طرح دنیا سے ختم کر دیا، مثلاً وید جو سنسکرت زبان میں ہے، اور ژند و پاژند جو ذری زبان میں ہیں، یہ دونوں زبانیں آج کسی خطۂ زمین میں عوام استعمال نہیں کرتے، لیکن قرآن کریم جو آخری کتاب الٰہی تھی، اسکی عربی زبان جس کی حفاظت کا انتظام بھی نہ تھا، کیوں کہ وہ ناخواندہ اور غیر متمدّن قوم کی زبان تھی۔ اس کو قرآن کی طرح قدرت نے ہمیشہ باقی رکھنا تھا تو اس کے دائرے کو وسیع کیا۔

نزولِ قرآن کے زمانہ میں وہ صرف حجاز، یمن اور نجد میں بولی جاتی تھی، اب اس کے علاوہ عراق، شام، فلسطین، لبنان، مصر، سوڈان، طرابلس، الجزائر، مراکش اور تیونس میں بولی جاتی ہے اور باقی عالم اسلام انڈونیشیا، ملایا، پاکستان، ایران، ترکی، افغانستان وغیرہ کے اہلِ علم بھی اس کو بولتے اور سمجھتے ہیں۔ یہی اس الہامی کتاب کی زبان ہے، جس کو کم از کم بائیس کروڑ انسان بولتے ہیں۔ یہ قرآن کی وہ عظمت ہے، جو دیگر کتبِ سماویہ کو حاصل نہیں، جس کی زبان کے لیے خود

قدرت نے میدان صاف کیا، بغیر انسانی تدبیر کے اس کو پھیلایا اور دیگر کتب سماویہ کی زبانوں کو تقریباً ختم کیا۔

﴿نزل به الروح الأمين علی قلبك لتكون من المنذرين بلسانٍ عربيّ مبين﴾ اللہ تعالی نے قرآن روح الامین یعنی جبرئیل کے ذریعہ تم پر یعنی تیرے دل پر اتارا تاکہ تم ڈرسناؤ اور نازل شدہ وحی صرف مضمون کی نہیں بلکہ الفاظ کے لباس میں ہے جو واضح عربی زبان میں ہے۔

ساحروں، کاہنوں اور شاعروں کی طرح چیستان نہیں، اور نہ اصل مقصد پیچیدہ ہے۔ البتہ قانونی اور فقہی احکام میں قوتِ اجتہاد کی ضرورت ہے ﴿و لقد يسرنا القرآن للذكر﴾ پند و نصیحت کے لیے قرآن آسان کیا ہے۔ استنباط احکام کے لیے فرمایا ﴿لعلمهَ الّذين يَسْتَنْبِطُونه منهم﴾ تو جان لیتے ان احکام کو وہ لوگ جو استنباط کی اہلیت رکھتے ہیں۔

حفاظتی عظمت:......﴿انّا نحن نزّلنا الذكر وانّا له لحفظون﴾ ہم نے قرآن کے الفاظ و معانی کو اتارا ہے اور ہم ضرور اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ دوبار ''انّا'' اور دوبار ''لام'' لانا گویا چار تاکیدوں سے اس مضمون کو جملہ اسمیہ کے قالب میں مذکور کرتا ہے کہ یہ کتاب لفظ و مفہوم دونوں کے اعتبار سے محفوظ ہوگی اور محافظ بھی مخلوق نہیں بلکہ خالقِ کائنات ہے، جیسی اس کی قدرت وقوت لاجواب ہے، ویسی اس کی حفاظت بھی بےنظیر ہوگی، جس میں کوئی قوت رخنہ نہ ڈال سکے گی۔ قرآن کی حفاظت کا جو موکد وعدہ کیا گیا ہے یہ وعدہ چار امور کی حفاظت کو شامل ہے:

(۱):......حفاظتِ قرآن کریم۔ (۲):......حفاظتِ طرز و تلفظ و لہجہ قرأتِ قرآن۔ (۳):......قرآن کے مطالب و معانی کی حفاظت۔ (۴):......قرآن کی عملی شکل کی حفاظت۔

الحمد اللہ حفاظت کی یہ چاروں قسمیں آج تک موجود ہیں، اور ان میں آج تک کوئی فرق نہیں آیا۔ البتہ مستشرقین نے حفاظت پر شبہ پیش کیا ہے۔

شبہ نمبر۱:......کہ قول ابن مسعود ہے کہ فاتحہ و معوذتین قرآن سے نہیں اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ ابن مسعود کی طرف اس قول کو منسوب کرنا صحیح نہیں۔ جیسے نووی نے شرح المہذب میں لکھا ہے: "وما نقل من ابن مسعود ليس بصحيح"۔ اور ابن حزم نے ''القدح المعلی'' میں لکھا ہے: هذا كذب علی ابن مسعود وإنما صح عند قرأ عاصم من زرعنه وفيها المعوذتان والفاتحه۔ یعنی انکار فاتحہ اور معوذتین کو ابن مسعود کی طرف منسوب کرنا جھوٹ ہے، بلکہ ابن مسعود سے صحیح قرأت جو حضرت عاصم نے حضرت زر کے ذریعہ ان سے نقل کی ہے وہی ہے اور اس میں فاتحہ اور معوذتین موجود ہی ہے، دوم اگر یہ قول ثابت مانا جائے، تو ابن الصلاح فرماتے ہیں یہ اس وقت کی بات ہے کہ ان کا تواتر معلوم نہ تھا جب ابن مسعود کو یہ تواتر معلوم ہوا تو رجوع کیا اور دلیل رجوع خود ابن مسعود کی قرأت ہے جو عاصم نے زر کے ذریعہ ان سے نقل کی ہے۔ سوم ابن قتیبہ نے مشکلات القرآن میں یہ جواب دیا ہے کہ ابن مسعود فاتحہ اور معوذتین کی قرأت کے قائل تھے کتابت کا انکار کر رہے تھے کہ کتابت محفوظیت کے لیے ضروری ہے اور یہ تینوں سورتیں ہر ایک کو یاد

ہیں، لکھنے کی ضرورت نہیں۔ انهما لیستا من کتاب اللّٰه میں کتاب اللہ سے مراد مصحف ہے۔ یعنی یہ دونوں فاتحہ معوذتین مصحف کا جز مکتوب نہ ہونا چاہیے۔

شبہ نمبر۲:...... مستشرقین نے دوسرا شبہ حفاظتِ قرآن پر پیش کیا ہے کہ شیعہ تحریف کے قائل ہیں، جواب یہ ہے اسلام کا کوئی فرقہ تحریف کا قائل نہیں، عام شیعہ بھی تحریف کے منکر ہیں۔ شیخ صدوق رسالہ ''اعتقاد'' میں لکھتے ہیں: مابین الدفتین لیس بأکثر من ذلك من نسب إلینا أنه أکثر فهو کاذبٌ۔ تفسیر مجمع البیان ابوالقاسم علی ابن الحسین الموسوی میں ہے: إن القران علی عهد رسول اللّٰه مجموعا مرلفا علی ماهو الآن. سید مرتضیٰ شیعہ لکھتے ہیں: إن العلم بصحة القران کاالعلم بالبلدان والوقائع الکبار...... قال نور اللّٰه الشوتري الشیعي في مصائب النواصب مانسب الشیعة إلی الإمامیة بوقوع التفسیر في القران لیس مما قال به جمهور الإسلامیة إنما قال به شرزمة قلیلة لااعتماد بهم۔

ترجمہ: شیخ صدوق صاحب شیعی رسالہ اعتقادیہ میں لکھتے ہیں کہ قرآن کے دونوں جلدوں کے درمیان جو کچھ ہے، قرآن اس سے زیادہ نہیں اور جس نے ہم شیعوں کی طرف منسوب کیا ہے کہ قرآن اس سے زیادہ ہے، وہ جھوٹا ہے۔ تفسیر مجمع البیان معتبر شیعی تفسیر میں ہے کہ قرآن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں جمع تھا، اسی شکل میں جس میں اس وقت ہے۔ سید مرتضیٰ شیعی لکھتے ہیں کہ موجودہ قرآن کے صحیح ہونے کا علم ایسا متواتر اور یقینی ہے جیسے بڑے بڑے شہروں کا وجود اور واقعات کا ہونا۔ قاضی نوراللہ شوتری شیعی مصائب النواصب میں لکھتے ہیں کہ شیعہ امامیہ کی طرف جو قرآن کی تفسیر منسوب ہے، وہ عام شیعوں کا قول نہیں۔ ایک بہت چھوٹے گروہ کا قول ہے جس کا اعتبار نہیں۔ ان جوابات سے ظاہر ہوا کہ جمہور شیعہ تحریف نہیں مانتے۔

شبہ نمبر۳:...... اختلاف قرأت سبعہ کے اعتبار سے کیا گیا ہے۔ اختلافِ قرأت ومنسوخ التلاوت مثلاً آیتِ رجم سے تحریف کا شبہ ظاہر کرنا بھی غلط ہے۔ کیوں کہ تحریف اسے کہتے ہیں کہ کسی شاہی دستاویز میں دوسرا آدمی اپنی طرف سے کوئی لفظ ڈالے یا کوئی لفظ نکال دے، لیکن خود متکلم ایسا تصرّف کرے کہ کسی حکمت کے تحت کسی لفظ کا اضافہ یا ازالہ کرے، یہ دنیا کے کسی قانون میں تحریف نہیں۔ اختلافِ قرأت اور نسخ تلاوت اسی قسم میں داخل ہیں۔ جو خود متکلم یعنی اللہ رب العلمین کی طرف سے ہے نہ غیر کی طرف سے۔

الفاظ کی حفاظت:...... الفاظ قرآن کی حفاظت کا انتظام تحریری صورت میں کر دیا گیا کہ تیونس، مراکش، کاشغر، ماسکو اور ازبکستان بلکہ تمام کرۂ ارضی کے قرآنی نسخوں میں کوئی فرق اور تفاوت نہیں اور حفظ قرآن کے ذریعہ بھی کر دیا گیا کہ اگر دنیا میں خدانخواستہ قرآن کا کوئی تحریری نسخہ باقی نہ رہے، تو بھی کوئی اسلامی شہر، تحصیل، ضلع اور قصبہ ایسا نہیں، جہاں قرآن کے حافظ موجود نہ ہوں اور مجموعی طور پر ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے جو اپنے سینوں سے قرآن دوبارہ مرتب کر سکتے

ہیں، یہ ایک غیبی اور الٰہی کوشش ہے جو حفاظ قرآن کو قرآن سے ہے۔ اگرچہ وہ حفاظ ہند و پاکستان، ایران، افغانستان، ملایا، انڈونیشیا کے ہوں جن کی زبان عربی نہیں لیکن وہ محنت کر کے قرآن حفظ کرتے ہیں، حالانکہ نہ حکومت سے ان کو اس حفظ کا کوئی صلہ ملتا ہے، نہ ہی عام مسلمانوں کی طرف سے کوئی خاص معاوضہ دیا جاتا ہے، اور پھر محنت اتنی سخت کرنی پڑتی ہے جس کی کوئی حد نہیں، پھر یہ محنت سال دو سال کی نہیں، حافظ جب تک زندہ رہے گا اس کو دور و تکرار کرنا لازمی ہوگا۔ بتاؤ یہ اگر غیبی کوشش نہیں ہے تو اور کیا ہے اور یہ قرآن کی عظمت کی دلیل ہے جو آج تک کسی کتاب کو نصیب نہیں ہوئی، اسی ذوق وحلاوت اور جذب کا نتیجہ ہے کہ سلف میں بہت سے حضرات ایسے گزرے ہیں جو روزانہ دس ختم قرآن شریف کے کرتے تھے، بلکہ قسطلانی میں ہے کہ قدس شریف میں اس سے زیادہ ختم کرنے والے کو دیکھا گیا اور بعض حضرات نے تین دن میں قرآن حفظ کیا جیسے محمد بن کلبی جس کا ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔

طرزِ تلفظ اور نہج قرأت کی حفاظت:......نزول قرآن کے زمانے میں جس طرح طرز و لہجہ سے قرآن کا تلفظ ہوتا تھا، اس کو قراء قرآن کے ذریعہ محفوظ کیا گیا اور وہی سلسلہ قرأت آج تک محفوظ ہے۔ جن صحابہ کرام نے حضور ﷺ سے قرأت حاصل کی اور مابعد زمانے کے قراء کے بالذات یا بالواسطہ شیوخ واساتذہ تسلیم کیے گئے اور ان کا سلسلۂ قرأت آج تک موجود ہے، وہ یہ سات حضرات ہیں: عثمان، علی، ابی بن کعب، زید بن ثابت، عبد اللہ بن مسعود، ابوالدرداء، ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہم۔ (مناہل القرآن ج:۱ص ۴۰۷)

معنوی حفاظت یعنی مطالب قرآن کی محفوظیت:......الفاظِ قرآن مطالب و معانی سمجھانے کا ذریعہ ہیں، اگر مطالب و معانی قرآن محفوظ نہ ہوں، بلکہ مغرب زدہ طبقہ کے خیال کے مطابق ہر زمانہ میں نئے مطلب تراشنے کی گنجائش ہو تو الفاظِ قرآن کی حفاظت بے کار ہے، جبکہ معنی محفوظ نہ رہے اور الفاظ کا حفظ بے مقصد ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کے معانی کی حفاظت صاحبِ قرآن کی قولی و فعلی وتقریری ذرائع سے فرمائی اور صاحب قرآن علیہ السلام نے ﴿ویعلمھم الکتاب﴾ (کہ آپ ان کو مطلب قرآن سکھلادیں) ﴿ولتبین للناس ما نزّل الیھم﴾ (تاکہ آپ بیان کریں امت کو قرآن کے مطالب جو ان کی طرف نازل ہوا ہے) کے ارشادِ الٰہی کے تحت مطالبِ قرآن کی تعلیم دی۔ اب مطالب بھی محفوظ ہو گئے اور کسی کو مجال ترمیم و تحریف نہیں کہ قرآن کے مطالب کو بدل سکے یا ان میں ترمیم کر سکے۔

عملی حفاظتِ قرآن:......قرآن کے جن الفاظ مثلاً صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حج، جہاد وغیرہ کے مفہوماتِ شرعیہ حضور علیہ السلام نے بتلائے ہیں، وہ پھر عملاً بھی نماز، زکوٰۃ، حج، جہاد کا نمونہ کر کے دکھادیا، تاکہ قرآنی حقائق عملی صورت میں موجود ہو کر ان کی عملی زندگی کا جز بن جائیں اور کسی ملحد کو ان الفاظ کے شرعی مفہومات کی تحریفات کے لیے کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔

توضیحی مثال:......احکام دین کے مجموعہ کو ایک عمارت سمجھو۔ ہر عمارت کے لیے تین قسم کا وجود لازمی ہے: (۱) عملی وجود، (۲) تحریری وجود، (۳) خارجی وجود۔

اسی طرح اسلام اور دین کا جو نقشہ علمِ الٰہی میں تھا وہ اسلام کا عملی وجود ہے۔ پھر اسی نقشہ کو جب کتاب وسنت کی شکل میں مرتب کیا گیا، یہ اسلام کا تحریری وجود ہے، پھر دَورِ اوّل کے مسلمانوں نے جب اس کے مطابق عمل کیا، یہ اس کا وجودِ خارجی ہے، ان سے تابعین نے دیکھ کر سیکھا، تابعین سے تبع تابعین نے علی ھذا القیاس اسلام کا یہ عملی دخارجی وجود کم وبیش تاریخی تسلسل کے ساتھ عہدِ نبوت سے آج تک موجود ہے، اور قیامت تک رہے گا۔ جیسے ایک انجینئر بلڈنگ کا نقشہ پہلے ذہن میں مقرر کرتا ہے، پھر اس کو کاغذ پر بناتا ہے پھر ملبہ منگوا کر مستری اور مزدوروں کے ذریعہ خارجی نقشہ تیار کیا جاتا ہے، ان تینوں نقشوں میں مطابقت اور موافقت ضروری ہے ورنہ غلطی ہوگی۔ اس طرح اسلام کی ایسی جدید تعبیر یا نقشہ جو اسلام کے تحریری نقشہ اور خارجی نقشہ یعنی اسلام کے تاریخی مسلسل وجود خارجی کے جو خلاف ہو وہ غلط اور ایجاد دہندہ ہوگا......

اس سے اسلام کے اندر ہر تحریف وترمیم کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، کیونکہ قرآن کے قوانین ابدی ہیں، جیسے وہ اس سے قبل ہزار بارہ سو سال مختلف اقوام اسلامی اور مختلف ملکوں اور زبانوں کی راہنمائی کے لیے کافی تھے، آج بھی کافی ہیں، اور آئندہ بھی کافی رہیں گے، بلکہ زمانہ حاضرہ اسلامی قوانین کا اس سے زیادہ محتاج ہے، جس قدر پہلا دور محتاج تھا۔ یہی قرآن کا وہ کمال وعظمت ہے، جو قبل ازیں کسی کتاب کو نصیب نہیں ہوا۔ انسان اور اس کا قانون جذباتی ہے، لیکن قرآن اور قانونِ الٰہی فطری اور اعتدالی ہے۔

قرآن کی بلاغی عظمت:...... قرآن ایک کتاب ہے۔ جس کو ہم خدا کی کتاب کہتے ہیں، اس کے علاوہ ہزاروں کتابیں اور بھی موجود ہیں، جن کو ہم انسانوں کی کتابیں مانتے ہیں، قرآن کو ہم خدا کی طرف اور دیگر کتابوں کو ہم انسانوں کی طرف کیوں منسوب کرتے ہیں، اور اس کا معیار کیا ہے؟ معیار وہی ہے، جس کو روزمرّہ کی زندگی میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ سائیکل اور موٹر انسان کے بنائے ہوئے ہیں، اور سورج اور چاند خدا کے، کیوں کہ سورج اور چاند کا بنانا انسانی قدرت سے خارج ہے، لیکن سائیکل اور موٹر کا معاملہ ایسا نہیں، یہی معاملہ اور معیار بعینہ کتابوں کے متعلق برتا جاسکتا ہے، سائیکل موٹر، سورج اور چاند چاروں تخلیقی کام ہیں، اوّل الذکر دو چیزیں انسانی قدرت کے دائرے میں داخل ہیں اور آخر کی دو چیزیں انسانی قدرت سے خارج ہیں، اور خارج ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اب تک انسان سے سورج اور چاند نہ بن سکے، اور نہ ہی اس نے ایسا کوئی کارخانہ قائم کیا کہ جس میں سورج اور چاند بنتے ہوں، اس کے باوجود کہ قرآن کا ظہور ایک نبی امّی کی زبان سے ہوا، جو نوشت وخواند سے خالی تھے، نظم ونثر کہنے والوں میں آپ کا کوئی نام نہ تھا، نہ ان کے ساتھ محبت ومجالست تھی، پھر قرآن کا اسلوبِ بیان ایسا بنا تھا کہ سارے عرب میں اس کا نمونہ موجود نہ تھا، اور قرآن جن علوم عالیہ پر مشتمل تھا اُن سے عرب اور غیر عرب سب بالکل محروم تھے، اس کے علاوہ عرب میں بے مثال فصیح وبلیغ شعراء موجود تھے، جن کو اپنے کمال پر ناز تھا، اور قرآن اور صاحب قرآن کے بدترین دشمن تھے، وہ قرآن کے توڑ کو اپنی بڑی کامیابی سمجھتے تھے، ان حالات میں قرآن نے اعلان کیا کہ اس کتاب کی طرح چھوٹی سورت بنالاؤ اور ساتھ ہی اعلان کیا کہ تم اور خدا کے سوا اگر

تمھارے سارے معبود جمع ہو جائیں، جب بھی ایسا نہ کر سکیں گے۔

اس اعلان نے غیور شعراء پر کیا اثر ڈالا ہوگا لیکن جو ناممکن تھا وہ کیوں کر ممکن ہو سکتا تھا؟ اور آج بھی ہزاروں عیسائیں اور یہودیوں کی مادی زبان عربی ہے، کیوں کہ لبنان، مصر، شام وغیرہ میں آباد ہیں اور عربی کی بیسیوں جلدیں اور ڈکشنریاں عربی زبان کی لکھی ہیں، وہ قرآن کے دشمن بھی ہیں لیکن یہ تو ممکن ہے چاند پر وہ مکان بنا سکیں، لیکن یہ کہ سورۂ کوثر کے برابر ایک سطر کی سورت بنالائیں یہ ناممکن ہے، جو قرآن کی عظیم الشان بلاغی عظمت کی دلیل ہے جس نے پوری انسانیت سے اپنی عظمت کا لوہا منوایا ہے۔

مستشرقین یورپ نے فیضی کی تفسیر بے نقط اور ابن امراوندی یہودی کی کتاب ''تاج'' کو قرآن کے توڑ میں پیش کیا ہے۔ حالانکہ ان دونوں مصنفوں نے خود یہ دعویٰ نہیں کیا، ہم دونوں شبہوں کا جواب لکھتے ہیں۔ فیضی کی تفسیر بے نقط کو بے نظیری میں مثالاً پیش کرنا بے سود ہے۔ خود فیضی اپنی تفسیر کو قرآن کا توڑ نہیں سمجھتا، تو دوسرے کا دعویٰ بے نظیری ایسا ہے کہ مدعی سست اور گواہ چست، فیضی خود دیباچہ تفسیر مذکور جس کا نام ''سواطع الالہام'' ہے، میں لکھتے ہیں:

"کلام الله لاحد لحامدہ ولاعد لمکارمہ وماء لاساحل لہ، قرآن کی خوبیوں کی حد نہیں اور اس کی فضیلتیں بے شمار ہیں وہ ایک ایسا سمندر ہے جس کا کنارہ نہیں۔''

اس کے علاوہ یہ صنعت عرب میں موجود تھی، تمام عبارت نقطہ دار حروف یعنی حروف معجمہ سے مرکب ہو اور تمام عبارت مہملہ یعنی بے نقط حروف سے مرکب ہو، ایک کلمہ معجمہ حروف کا ہو اور ایک مہملہ کا، یہ سب مقاماتِ حریری وغیرہ میں موجود ہیں۔

شبہ ابن امراوندی کی تاج کا:...... باقی ابن امراوندی یہودی زندیق جو یہود و نصاریٰ سے رقم لے کر اس نے ''التاج والفرید'' لکھا، اس کے متعلق ایک اور ملحد ابوالعلا المعریٰ نے لکھا ہے: لایصلح تاجہ أن یکون نعلاً۔ یعنی ''اس کی کتاب ''تاج''، چپلی بننے کے بھی قابل نہیں۔'' (مناہل القرآن)

انسانی اصلاح کا اصلی مرکز دل ہے۔ جب وہ درست ہو جائے تو باقی اعضاء خود بخود درست ہو جاتے ہیں، جیسے بخاری میں نعمان بن بشیرؓ کی حدیث مرفوع میں صلح الجسد کلمہ آیا۔ دل روح انسانی کا اصلی مستقر ہے، تو گویا روح کی اصلاح پر پوری شخصیت کی اصلاح مبنی ہے روح عالم امر سے ہے، جیسے قرآن میں آیا ہے: ﴿قل الروح من امر ربی﴾ تو اس امر ربی کی اصلاح بھی امر ربی یعنی کلام الٰہی سے ہوگی اور کلام الٰہی فی الحقیقت غذاء روحانی ہے، بدن زمین سے ہے اور روح امر سماوی ہے تو اس کی غذا بھی سماوی یعنی کلام الٰہی سے ہوگی، اگر جسم و بدن کی نشو نما اور قوۃ وارتقاء زمین سے حاصل کردہ غذا کے بغیر ممکن نہیں تو روح کی ترقی وقوت اور نشو نما آسمانی غذا یعنی کلام الٰہی کے بغیر ممکن نہیں، اب یہ فیصلہ کہ قرآن واقعی ایک عظیم روحانی غذا اور کلام الٰہی ہے یا نہیں؟ تو اس کا فیصلہ تمام غذاؤں کے اصول کے قانون کے مطابق کیا جائے گا، اگر غذا کے استعمال سے درستی ہوئی، ضعف و کمزوری دور ہوئی بلکہ سابق کمزوری بھی دور ہوئی تو ایسی غذا صحیح اور

مقوی غذا ہے اور اگر کمزوری دور نہ ہوئی، بلکہ زیادہ ہوئی تو غذا نہیں۔اب قرآن کے نسخہ کو صحابہ کرام نے استعمال کیا، ان کی زندگی قبل از اسلام وقبل القرآن تمام بُرائیوں سے لبریز تھی۔خدا پرستی کی جگہ بت پرستی، اتحاد کی جگہ خانہ جنگی تھی، عدل کا نام نہ تھا، بلکہ ظلم پر فخر کیا جاتا تھا، زنا، شراب، سودخوری میں ابتلا عام تھا۔اصلاح کے اسباب میں سے کوئی سامان موجود نہ تھا۔نہ تعلیم تھی نہ تربیت، نہ عدالت نہ قانون، نہ تعزیرات نہ سزا اور لوٹ کھسوٹ زندگی کا عام معمول تھا۔قرآن آیا اور ایسے لوگوں کی اصلاح کے لیے آیا۔پھر قرآن کی اصلاح کے لیے وقت بھی بہت تنگ ملا۔نبوت کے تیئس سالہ زمانہ میں تیرہ سال مکی زندگی میں تو قرآن کی آواز کفار کے جبر واستبداد کی وجہ سے بند تھی کہ قرآن کی دعوت موت کو دعوت دینے کے برابر تھی۔ہجرت کے بعد کی گیارہ سالہ زندگی میں اکثر حصّہ کفار عرب کی جنگوں اور حملوں کی مدافعت میں گذرا۔بمشکل تین چار سال صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے بعد کے ایسے ملے کہ قرآن کو عرب پر اصلاحی اثر ڈالنے کا موقع ملا، لیکن اس مختصر عرصہ میں قرآن نے عرب پر وہ اثر ڈالا اور ایسی جماعت تیار ہوئی جن کا ظاہر وباطن، اخلاق، عقائد، اعمال، معاملات، معاشرہ، سیاست اور بین الاقوامی تعلقات ایسے بن گئے، جن کی نظیر تاریخ بشری میں نہ پہلے گذری ہے اور نہ آئندہ ممکن ہے۔

کیا آپ دنیا کی کوئی ایسی کتاب بتلا سکتے ہیں جس سے تھوڑے عرصہ میں ایسی ہستیاں پیدا ہوئی ہوں جن کا ایک ایک وصف بے مثال ہو، مثلاً صدیق کی صداقت، فاروق اعظم کا عدل وسیاست، خالد بن ولید کی فوجی قیادت، عمرو بن عاص کا تدبر، پھر ان سب امور میں خدا سے تعلق، شاہی میں درویشی کا رنگ، یہ سب کچھ قرآن کی تعلیم اور حضور علیہ السلام کی صحبت کا نتیجہ تھا۔یہ عظیم اور بے مثال کارنامہ جو عرب میں اور بعد ازاں چار دانگ عالم میں پھیل گیا، کیا یہ قرآن کی عظمت کے لیے حجتِ قاطعہ نہیں۔؟

قرآن کی قانونی عظمت:...... قانون ہر مخلوق کی زندگی کا ضابطہ ہے، خواہ جمادات ہوں، نباتات یا حیوانات یا انسان۔فرق صرف یہ ہے کہ انسان کے ماسوا امور ایک جبری قانون میں جکڑے ہوئے ہیں، جس کو ہم قانونِ قدرت کہتے ہیں۔آسمان کے ستارے وسیارے ایک خاص نظامِ حرکت سے مربوط ہیں، اس نظام کی خلاف ورزی نہیں کرسکتے۔پانی بلندی سے پستی کی طرف جاسکتا ہے، اس کے خلاف نہیں کرسکتا، زمین سمندر کے نیچے رہے گی پانی کے اوپر نہیں تیر سکتی۔ایک رتی بھر سوئی کو سمندر میں ڈال دو تو ڈوب جائے گی لیکن سینکڑوں ٹن کا جہاز سمندر پر تیرتا رہے گا۔درختوں کی جڑیں نیچے جائیں گی اور شاخیں اوپر، ایسا نہیں ہوسکتا کہ شاخیں نیچے جائیں اور جڑیں اوپر، مویشی گھاس کھائیں گے اور گوشت نہیں کھائیں گے، یہ ان مخلوقات کی قانونی زندگی کی دلیل ہے، جو قانونِ قدرت کے تحت ان پر حاوی ہے اور ان کے خلاف ان کو مجالِ دم زدن نہیں، کیوں کہ یہ جبری قانون ہے۔

آسماں مجبور ہیں شمس و قمر مجبور ہیں انجم سیماب پا رفتار پر مجبور ہیں

یہی جبری قانون انسان پر بھی حاوی ہے کہ وہ قدموں کے بل چل سکتا ہے سر کے بل نہیں چل سکتا، لیکن انسان کے لیے

اختیاری قانون بھی ہیں جس کا کرنا نہ کرنا اس کے اختیار میں ہے، اس لیے انسان فاعلِ مختار ہے، اسی اختیار پر حسن قبح وکمال ثواب وعقاب کا مدار ہے۔ اگر بنانے والا انسان ہو خواہ ایک فرد ہو یا بادشاہ یا ڈکٹیٹر یا جماعت ہو یا پارلیمنٹ لیکن نفس قانون اختیاری کی ضرورت تمام اقوام میں مسلّم ہے، اس لیے کوئی ملک اور کوئی حکومت قانون سے خالی نہیں، اب ہم کو یہ طے کرنا ہے کہ قانون اختیاری انسان کا حق ہے یا خدا کا، اس لیے ضروری ہے کہ ضرورت قانون کی اصلی وجوہات بیان کریں۔

انسان میں جب تک خواہش موجود ہے، وہ دوسروں کا حق مارنے سے دریغ نہیں کرے گا اور جب تک اس میں غضب کا جذبہ موجود ہے، وہ دوسروں سے دست درازی سے باز نہیں آئے گا، پہلی صورت میں مال کو خطرہ ہوگا اور دوسری صورت میں جان کو، جس کے تحفظ کے لیے دیوانی وفوجدار قوانین کا وجود ضروری ہے، تاکہ مال وجان محفوظ رہ سکے کیونکہ یہ تو ممکن نہیں یہ دونوں خطرناک جذبے جو لوازمات انسانیت سے ہیں موجود ہوں اور ان کے نتائج موجود نہ ہوں، اب اقامتِ عدل اور تحفظ حقوق انسانیہ کے لیے قانون سازی کیا انسان کا حق ہے یا خدا کا۔ یہ فیصلہ آسانی سے سمجھ میں آسکے گا، جب مندرجہ ذیل امور ذہن نشین ہوں قانون ساز قوت میں مندرجہ ذیل امور کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) علم تام (۲) عدل کامل (۳) رحمت وشفقت کاملہ (۴) غیر جانبداری

یہ چار امور صرف اللہ کی ذات میں موجود ہیں، انسان خواہ فرد ہو یا جماعت ان سے خالی ہے، لہٰذا انسان کو قانون اور ضابطۂ حیات کی تشکیل کا حق نہیں۔ پہلی چیز یعنی علمِ تام وہ انسان کو حاصل نہیں۔ اسمبلیوں اور پارلیمنٹوں میں انسانی قانون کی وقتاً فوقتاً تبدیلی اس امر کی دلیل ہے۔ پھر ایک ملک کا قانون دوسرے ملک سے اور ایک پارلیمنٹ کا قانون دوسری پارلیمنٹ سے مختلف ہے، جو انسانی علم کے تردد وتشکک کی دلیل ہے۔ لیکن خالقِ کائنات کا علم کامل مکمل ہے پھر خدا انسانی زندگی کے ہر دور کے خیر وشر کو جانتا ہے خواہ دنیوی زندگی سے متعلق ہو یا برزخ وقبر سے یا آخرت سے، لیکن انسان کو اگر کسی حد تک علم ہے تو صرف دنیا کا علم اور وہ بھی حال کا علم، نہ کہ مستقبل کے امور کا، باقی برزخ وآخرت کے امور وہ تو انسان کے عقل وحواس غائب ہیں، لہٰذا انسانی پارلیمنٹ اگر نفع سمجھ کر سود وقمار کے جواز کا قانون پاس کردے تو اس کی نظر سے سود وقمار کے مستقبل کے مہلک اثرات ونتائج غائب ہوتے ہیں اور قبر وآخرت کی جو مضرت ان دونوں چیزوں میں ہوگی وہ بھی اس کے دائرۂ عقل سے خارج ہے، لیکن خالقِ کائنات جو اصل سرچشمہ قانون ہے، صرف اس کا علم تام ان سب پر حاوی ہے اور انسان کے حقیقی نفع ونقصان کو وہی جانتا ہے، لہٰذا اس کا قانون صحیح علم پر مبنی ہے کہ یہ دونوں امور ناجائز ہیں۔

پھر بڑی بات یہ ہے کہ انسانی عقل وفہم میں زیادہ خواہش وعادت کی دخل اندازی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی پارلیمنٹوں میں اعلیٰ تعلیم یافتہ ممبران کی اکثریت ان قوانین کو بناتی ہے جن کی بُرائی میں کوئی شبہ نہیں، جیسے انگلستان اور کینیڈا نے جواز لواطت کا قانون پاس کیا، اس کے علاوہ انسانی ذاتی مفاد اور قومی مفاد کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے لہٰذا

وہ عمومی مفاد و دیگر اقوام کے ساتھ انصاف کا عملاً حامی نہیں ہوسکتا، جس کی بڑی دلیل دنیا کے سب سے بڑے عالمی ادارۂ امن و انصاف کا طرزِ عمل ہے جس میں چھوٹی بڑی سو کے قریب اقوام شامل ہیں، لیکن درحقیقت یہ ادارہ دنیا کی پانچ بڑی طاقتوں کے ہاتھ میں کھلونا بن کے رہ گیا ہے اور آج تک وہ کسی مظلوم قوم کو اس کا حق نہیں دلا سکا، بلکہ اعلانِ حق تک نہ کر سکا اور اس تجربے کے بعد موجودہ دور کے انسان سے قانون انصاف کی توقع سعی لا حاصل ہے، اس بڑے عالمی ادارے کا یہ قانون ہے کہ پانچ بڑی طاقتوں کو ویٹو پاور یعنی تنسیخ حاصل ہے یعنی ان پانچ طاقتوں میں سے کوئی بھی اگر ایک مظلوم ملک یا قوم کا مسئلہ زیرِ بحث نہ لانا چاہے تو اس پر اس ادارے میں بحث نہیں ہوسکتی حالانکہ ظالم اکثر بڑی طاقتیں ہوتی ہیں، جب ان کے خلاف کوئی مقدمہ پیش ہی نہیں ہوسکتا تو مظلوم کی حق رسی کیونکر ممکن ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اس ادارے کی صحیح حقیقت وہی ہے، جو مستقل مندوب پاکستان سید احمد شاہ بخاری نے اپنے طویل تجربے کے بعد اخبار جنگ ۶ دسمبر ۱۹۶۷ء میں شائع کی، یہ تقریر انہوں نے ۷ جنوری ۱۹۵۳ء میں کی تھی۔ تقریر یہ ہے کہ اگر اقوامِ متحدہ میں دو چھوٹی قوموں کا تنازعہ درپیش ہو تو وہ تنازع اور مقدمہ غائب ہو جائے گا اور اگر تنازع ایک چھوٹی اور ایک بڑی قوم کا ہو تو چھوٹی قوم غائب ہو جائے گی اور اگر تنازع دو بڑی قوموں میں ہو تو خود اقوام متحدہ غائب ہو جائے گی۔

یہ ہے دور حاضر کی انتہائی تعلیم سے بلند ترین انسانوں کے انصاف اور قانون کا مظاہرہ

قیاس کن ز گلستان ما خزاں مرا

اس لیے انصاف اور قانون کا سرچشمہ صرف اللہ ہے اور، جس کا قانون قرآن کی شکل میں محفوظ ہے، جس سے قرآن کی عظمت نمایاں ہو جاتی ہے۔ ان الحکم الا للہ قانونِ دنیا صرف خدا کا حق وتمّت کلمة ربك صدقاً وعدلاً اللہ کا کلام سچائی اور انصاف کے لحاظ سے تام اور کامل ہے۔ بقول علامہ اقبال:

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے — اک وہی ہے حکمراں باقی بتانِ آذری

غیر حق چوں ناہی و آمر شود — زور ور بر نا تواں قاہر شود

قرآن کی عظمت کے متعلق یورپ کے محققین کی شہادت:.......

(۱):...... سرولف لکھتا ہے: وسیع جمہوریت رشد و ہدایت فوجی تنظیم مالیات غرباء کی حمایت اور ترقی کے اعلیٰ آئین قرآن میں موجود ہے۔

(۲):...... ڈاکٹر مولیس فرانسیسی لکھتا ہے: قدرت کی عنایتوں نے جو کتابیں انسان کو دی ہیں قرآن ان سب سے افضل ہے۔

(۳):...... ڈاکٹر سموئیل لکھتا ہے: قرآن کے مطلب ایسے ہمہ گیر اور ہر زمانے کے لیے موزوں ہیں کہ تمام صدائیں خواہ مخواہ اس کو قبول کرتی ہیں اور محلوں، ریگستانوں، شہروں اور سلطنتوں میں گونجتا ہے۔ (تاریخِ اسلام عبد القیوم ندوی: ج ۱ ص ۳۲۷ تا ۳۳۲)

(۴):...... جارج سیل لکھتا ہے: کسی انسان کا قلم ایسی معجزانہ کتاب نہیں لکھ سکتا اور یہ مردوں کو زندہ کرنے سے بڑا معجزہ ہے۔

(۵):...... ارمکسیو ئیل لکھتا ہے: اگر وحی کوئی چیز ہے تو بے شک قرآن ایک الہامی کتاب ہے (تاریخ اسلام عبد القیوم ندوی: ج ۱ص ۳۲۷)

قرآن کی عظمتِ سیاسیہ:...... قرآن نے اپنے ماننے والوں اور مؤمنین عالمین کو جو سیاسی قوت عطا کی ہے اس کی نظیر تاریخ بشری میں موجود نہیں۔ یہ سیاسی قوت بخشی قرآن کا سیاسی معجزہ ہے۔ قرآن کا براہ راست نزول عرب قوم میں ہوا جو اکثر اقوامِ عالم سے تعداد میں کم، جسم میں کمزور، دولت وثروت سے محروم اور علم و ہنر سے خالی تھے۔ نزول قرآن کے وقت عرب صرف موجودہ سعودی عرب اور یمن کا نام تھا۔ مصر، عراق، شام، فلسطین، اردن، لبنان، طرابلس، تیونس، الجزائر یہ غیر عرب ممالک تھے جو اسلامی فتوحات کے بعد عرب ممالک بن گئے۔ دنیا عالم اسباب ہے اور سیاسی غلبہ اور قوت کے لیے آٹھ اسباب مادی کا ہونا ضروری ہے۔ جب ایک قوم دوسری قوم سے ان اسباب کے لحاظ سے فائق ہو تو پہلی قوم دوسری قوم پر سیاسی غلبہ حاصل کر لیتی ہے۔ وہ آٹھ اسباب حسبِ ذیل ہیں:

(۱):...... عددی کثرت: اکثر حالات میں کثیر التعداد قوم قلیل التعداد قوم پر فتح پاتی ہے، لیکن عرب قوم کی تعداد دیگر اقوام کی نسبت بہت کم تھی۔ یہاں تک کہ نزولِ قرآن کے زمانے میں کل تعداد دو چار لاکھ افراد بالیقین سے متجاوز نہ تھی۔

(۲):...... دوسری چیز صنعت ہے، تاکہ اس کے ذریعہ آلاتِ جنگ اور پوشاک مہیا کر سکے۔ لیکن عرب میں نہ کارخانہ تھا نہ صنعت تھی، یہاں تک کہ عمدہ تلوار ہندوستان سے حاصل کی جاتی تھی جس کو "سیفِ مہند" کہتے تھے اور پوشاک شام کے عیسائیوں سے۔

(۳):...... تیسری چیز تعلیم ہے۔ سیاسی اقتدار اور نظم ونسق مملکت چلانے کے لیے تعلیم ضروری ہے۔ جبکہ عرب امیین یعنی ناخواندوں کا ملک تھا نہ کوئی مکتب نہ مدرسہ نہ کتاب۔

(۴):...... چوتھی چیز اتفاق ہے، تاکہ افراد کی منتشر قوت منظم ہو کر ایک ہی مقصد کی طرف متوجہ ہو سکے، لیکن عرب کا ہر قبیلہ دوسرے کا دشمن تھا۔ انصار مدینہ کے دو قبیلے اوس وخزرج آپس میں دشمن تھے اور سالوں ایک دوسرے سے لڑتے رہے۔

(۵):...... پانچویں چیز زراعت ہے، تاکہ ضروریاتِ زندگی میں ملک خود کفیل ہو سکے اور غذائی ضروریات مہیا ہوں، لیکن غذا میں عرب غیر اقوام کے محتاج تھے۔ خرما کے سوا ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا اور وہ بھی صرف بعض علاقوں میں۔ اس لیے قرآن نے حجاز کے متعلق فرمایا ہے: ﴿بواد غیر ذی زرع﴾ یعنی وہ زمین جو کھیتی والی ہے۔

(۶):...... چھٹی چیز معدنی دولت ہے۔ نزولِ قرآن کے وقت کے عرب میں کسی معدنی دولت کا وجود نہیں تھا، اب جو کچھ عرب میں نظر آرہا ہے، وہ دور حاضر کی پیداوار ہے۔

(۷):......ساتویں چیز جسمانی قوت ہے۔عرب گرم ملک تھا ضروری غذا بھی میسر نہ تھی۔ پانی کی بھی کمی تھی، سردی اور گرمی سے بچنے کے لیے نہ ضروری مکانات تھے اور نہ مناسب لباس۔ اکثر آبادی خانہ بدوشوں کی تھی جو چولداروں میں رہا کرتی تھی۔ بیمار ہوتے تو نہ کوئی علاج تھا، نہ مناسب غذا، ان حالات میں ان کے اجسام عام اقوام سے نہایت نحیف، کمزور اور ضعیف تھے۔

(۸):......آٹھویں چیز اخلاقی قوت ہے، روحانی اور اخلاقی قوت توحید سے حاصل ہوتی ہے اور یہی اعلیٰ اور پاکیزہ عقیدہ روح کو قوت بخشتا ہے لیکن عرب آبادی پتھروں کے تراشے ہوئے بتوں کی پرستش کرتی تھی، جس کی وجہ سے اخلاقی اور روحانی قوت سے بھی محروم تھی۔

یہ حالات تھے جب عرب میں قرآن کا نزول ہوا۔ مکی زندگی کے تیرہ سالہ عرصہ میں قرآن کی آواز کفار مکہ کے جور وستم کی وجہ سے دبی رہی۔ کیوں کہ قرآن کی دعوت اور اس کا سننا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ مدنی زندگی کا اکثر حصہ غزاوات وسرایا کے شغل میں گذرا اور عرب کو قرآن کے قریب آنے کا موقع نہ ملا۔ کچھ مدت صلح حدیبیہ کے بعد اور کچھ فتح مکہ کے بعد ایسی ہے جو چار پانچ سال سے زیادہ نہیں رہی۔ اس کم مدت میں قرآن نے عرب کو کہاں سے کہاں پہنچادیا۔ عرب کو قرآن نے ایسا فیض بخشا کہ وہ ایک ایسی قوم بن گئی، جو تنظیم، اخلاق، اتحاد، بلند خیالی، اولوالعزمی، ایثار، قربانی، خدا پرستی، شجاعت، سخاوت، قناعت، عفت، پاکدامنی، عدل و انصاف، امانت، دیانت میں بے مثال قوم بن گئی۔ اسی طرح جہانگیری، جہاں بانی میں بھی بے نظیر تھی۔ رحمت وشفقت، عقل وتدبر، پابندی عہد وقول، راست بازی میں کوئی قوم ان کی ہمسر نہ پہلے گذری اور آئندہ ممکن ہے۔ یہاں تک کہ انسانیت کی پوری تاریخ ان کے اخلاق اور خوبیوں کی نظیر پیش کرنے سے خالی ہے یہی وجہ تھی کہ ان آٹھ کمزوریوں کے باوجود جو ہم نے ذکر کیں، انہوں نے بیک وقت دنیا شرق وغرب کی دو عظیم متمدن اور ہزاروں سالوں کی مستحکم سلطنتوں کسریٰ وقیصر سے ٹکر لی اور ان دونوں عظیم حکومتوں کو غبار بنا کر رکھ دیا، ان میں سے ہر حکومت دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔

اب سوال یہ ہے کہ معجزانہ اور اسباب مادیہ کے خلاف یہ سیاسی غلبہ جو عرب کو حاصل ہوا جس کی طوفانی موجیں شرق میں شغر اور دیوارِ چین سے ٹکرائیں اور مغرب میں مراکش اور الجزائر ہسپانیہ اور فرانس تک پہنچیں، اس کے اسباب یا مادی ہوں گے یا روحانی وغیبی۔ پہلا سبب جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، عرب کو حاصل نہ تھا، بل کہ عرب کے حریف اور دشمن طاقتوں کو حاصل تھا، تو مجبوراً اقرار کرنا پڑے گا کہ یہ روحانی قوت کا کرشمہ تھا جو قرآن کے فیض سے عرب کو حاصل ہوا، جس سے قرآن کی سیاسی عظمت وتفوق بخشی کی مقناطیسی قوت ثابت ہوگئی۔

☆......☆..........☆